لا بہ لا
(غزلیات)
از
علی شیدا

لا بہ لا

(غزلیات)

علی شیدا

◉ جُملہ حقوق بحق شاعر محفوظ

نام کتاب: لا بہ لا

شاعر: علی شیداؔ

سال اشاعت: ۲۰۲۰ء عیسوی

قیمت: ۴۰۰ روپئے

طباعت: نجدہ ون پبلکیشنز نپورہ اسلام آباد

کمپوزنگ: زاہدؔ مختار / اظہارؔ مبشر

پتہ: (نجدہ ون) نپورہ قاضی گنڈ کشمیر 192221

رابطہ: alishaida@yahoo.com

9419045087 : 7889677765

کتاب ملنے کا پتہ:

۱) نجدہ ون نپورہ اسلام آباد

۲) مراز ادبی سنگم بجبہاڑہ

۳) کتاب گھر لالچوک سرینگر

انتساب
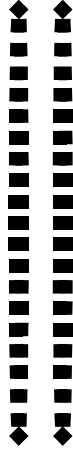
اپنی تنہائیوں کے نام

ترتیب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	انتساب	3
2	دستک (علی شیدا)	8
3	غیر کے غم میں کھو گئے مولا	10
4	مقامِ نور ازل ہے زمان رحمت ہے	12
5	اعلیٰ ترین نام سے اعلیٰ کہوں انہیں	14
6	قرآن پڑھ کے دیکھ دبستانِ نعت ہے	16
7	شعر کہیئے تو حمدیہ کہیئے	18
8	چین آتا ہے دل کو آنے سے	20
9	منظر پہ تہہ آب چھپائے ہیں کئی خواب	22
10	سوچوں پہ بارشوں کی رقم کیا کریں کتاب	24
11	ٹکی ٹکی جب آنکھ کی تھک جائے گی	26
12	دل سے دل کا تعلق ہے منقطع	28
13	کلیمی چھن گئی کیوں	30
14	جان ہے جو یہ ناتواں مجھ میں	32
15	سانسوں پہ اپنی مسلط ہے دھوڑ دھوپ	34
16	میں نے کہا کہ زلفِ گرہ گیر کھل کے ڈھانپ	36
17	دبے خوابوں کے منظر دیکھتے ہیں	37
18	سخنور تیرے لفظوں کی حلاوت میں ملاوٹ ہے	39
19	میں خود میں خوف ہوں مجھ کو ڈرانا ہے عبث لوگو	41
20	پرانے لوگ ہم ہیں جب دعائیں مانگ لیتے ہیں	43
21	مجھے اچھا تم ہی جیسا لگا ہے	45

22	عقیدت کا یہ آئینہ بھی کافر ہو گیا ہے	46
23	مجھ سے ملا جو آئینہ اُف کتنا ڈر گیا ہے	48
24	اشعار کہہ رہے ہیں قلم کار بھی تو ہو	49
25	کس نشے میں نیا زمانہ ہے	50
26	تاش پتے کمال رکھتا ہوں	52
27	دید و نظر میں ہے بسا نقش مٹا کے دیکھ تو	54
28	خود کو پاگل کیا ایسے پاگل ہیں ہم	56
29	خود کو ہم نے یوں گزارا دھوپ میں کچھ چھاؤں میں	57
30	روز و شب جو یہ دائرے میں ہوں	59
31	عشق کے مذہب میں کافر ہو گئے	61
32	زندہ جو تھے وہ ڈر گئے سارے	63
33	کھل نہ سکا جو ایک بھی حرف کتاب زندگی	65
34	وحشتوں کی رات تھی خواب کو سلا دیا	66
35	اک گمان ہی تو تھا چل پڑا یقین پر	68
36	درد کی شاخ پر کہاں ٹھہرا	70
37	آپ اپنا نقش سا جو خواب کے منظر میں تھا	72
38	دھوپ کو پہن لیا آفتاب کی طرح	74
39	دستار ہے میسر تیار سر نہیں	76
40	کیا طول انتظار تھا ہندسوں سے پوچھئے	77
41	اس جیسا اس کے بعد تو منظر نہیں ملا	79
42	خاک ہوں راہ راہ بکھرا ہوں	81
43	پڑھو نطقِ محبت سے کہ اردو ہوں	83
44	دکھ سے کیا کیا نکال لیتا ہوں	85
45	خیمہ زن ہونے چلا خواب نگر شام کے بعد	87
46	ہر اک کردار کو جھوٹی کہانی نے بگاڑا ہے	89
47	ہوا کے سامنے رکھا دِیا ہے	91

48	سُن سلطنت دل کے تو شہزادے جَری تُف !	93
49	میں خود سے بچھڑ جاؤں اگر سوچ ذرا سوچ	95
50	دل سے ابھی ملے نہ جو راحت کے سلسلے	97
51	بدل نہ گھر دئے ہوتے کہانیاں ہوتیں	99
52	چہرے تھے کئی دھوپ میں کالے بھی ہوئے اُف	101
53	خوشبو پہ اختیار جو تھا پیار ہی تو تھا	102
54	تم کہیں ہو نہ ہو ہمیں کیا ہے	104
55	سفر نکال کے آیا ہوں کس زمانے میں	105
56	ہو بازی جیتنی تو سر کی بازی کی ضرورت ہے	107
57	میرے سر پر آج بھی آ کر ٹھہرا تھا سورج	109
58	اپنے ہی دشت خاک میں بکھرا ہوا تھا میں	111
59	میں نے جو زباں کھول دی تو اس نے کہا چُپ	113
60	ہجر زادے تم نے کوئی حادثہ دل پر لیا ہے	114
61	کس نے کھینچی موسموں کی مستیاں	115
62	میں اپنے آپ میں تجھ بن رہا ہوں	117
63	بندوں کی کہاں خیر خداؤں کا نگر ہے	119
64	دل کے کچھ اچھے تماشے دیکھ کر دیکھے نہیں	120
65	رنگ و بوگل کی اک کڑی ہو تم	122
66	سولی سے اب اتار دو مجھ کو	125
67	دل نے کسی کو چھوڑ کے چھوڑا نہیں گیا	126
68	ہم نے چہرے کو بغل میں رکھ دیا	127
69	دل پہ دستک سوال دیتے ہیں	128
70	اس شہر کا نقشہ بھی بدلنا ہی پڑے گا	130
71	تیر ہوں کیا کمان سے نکلوں	132
72	اپنا نصیب ہے تو سنور جائے دیکھنا	134
73	شکستہ خواب دریچوں پہ ہار کا موسم	135

74	آپ سے کیا کریں گلہ صاحب	136
75	رقص کناں ہے جا بجا	138
76	کہاں پہ چاک بدن خرقہ تار تار کہاں	140
77	اپنی مٹی بڑی پرانی ہے	142
78	اتنا نزدیک لا کے دیکھ لیا	144
79	اپنی زمیں سے اشک بھی آخر جدا نہ ہو	146
80	تجھ سے منسوب سو فسانے ہیں	148
81	دل کوئی دل لگی سے ملتا ہے	150
82	عشق کے نصابوں میں نت نئے خسارے ہیں	152
83	بدن میں ہجر کا تپ تھا نئی بارش میں آ ٹھہرا	154
84	ہم نے بھی اپنی جگہ اپنی بسالی دنیا	156
85	دیر لگتی بھی آنے میں بہت	158
86	درد آخر گھٹا دیا ہم نے	160
87	وہ آئے گا کہ آنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے	164
88	خود بھیڑ میں کھو جائیں اگر پائیں تو کس کو	166
89	بوتل وہی شراب مگر ہے نئی نئی	167
90	جنوں نے چاک جو دامن نہیں کیا ہوتا	168
91	اک دشت مری خاک کے پردے میں پڑا ہے	169
92	کوئی صحرا سا تھا جس میں گماں کا کارواں ٹھہرا	171
93	ہم نے تمام خواب کناروں پہ رکھ دئے	173
94	تہہ زمیں کی خموشی ہمیں سنائے ذرا	174
95	اس دشت کے ہر ذرّے میں پھولوں کی ثنا ہے	175

دستک

بچپن کی دھندلی یادوں کے آئینے میں جب بھی جھانکتا ہوں تو خود کو ایک کچھ نہ کچھ مترنم سطریں گنگناتا ہوا پاتا ہوں۔ کبھی صریر خامہ سے سازِ دروں سنوارنے لگا کبھی کیمرے کی آنکھ میں قدرت کے خاموش مناظر قید کرنا تو کبھی برش سے کینواس پہ الجھی الجھی لکیریں کھینچنا ذات کا حصہ بنتے گئے۔ دھیرے دھیرے کیمرہ اور برش نے ساتھ چھوڑ دیا اور زندگی کی روانی صریر خامہ کی ہمسفر بن گئی۔ سازِ صریر خامہ نے سوزِ عشق دروں کو لفظوں کی چہچہاہٹ عطا کی اور میں نے خود کو شعر گوئی کیلئے وقف کر دیا۔ شاید یہ میری داخلی کیفیات کی ایک ایسی مجبوری تھی جس کے بغیر میرا سانس لینا دشوار لگنے لگا تھا۔

اردو چونکہ ایک زبان و تہذیب کا خوبصورت سنگم ہے میں اس کی چاشنی اور دلکشی سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ لیکن مادری زبان میں طبع آزمائی کرنا دھیرے دھیرے اس پہ سبقت لی گئی۔ کیفیات کا جو حال رہتا تھا وہ کبھی کبھی کشمیری زبان میں بیان کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اس لئے اردو کا دامن تھام کے رکھنا ضروری بن گیا۔ اردو سے والہانہ شغف بھی ساتھ چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔ انہی حالات میں میری شعر گوئی دونوں زبانوں میں پروان چڑھتی گئی۔ یار دوستوں نے حوصلہ افزائی کی تو میرا ادبی سفر انہماک کے ساتھ جاری رہا۔

دونوں زبانوں میں سات کتابیں منظرِ عام پہ آنے کے باوجود میں خود کوشاعری میں طفلِ مکتب ہی گردانتا ہوں۔

یہ سب اللہ کا کرم ہے اور میرے معزز قارئین کی حوصلہ افزائی کا تحفہ ہے کہ میں آج اپنا اردو کا تیسرا شعری مجموعہ لیکر حاضر ہوں۔

میری شاعری میرے داخلی احساسات کے نہ تھمنے والے تصادم سے ابھر کر آتی ہے۔اس داخلی تصادم کے پیچھے کونسا دستِ غیب ہے وہ طے کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ احساسات تجربات اور مشاہدات بھی بدلتے رہتے ہیں اوران سب کے تغیر وتبدل سے شعر گوئی بھی متاثر ہوتی رہتی ہے۔ جس کا عکس قارئین کو اس مجموعہ میں صاف جھلکتا نظر آئے گا۔

مجموعہ کلام احسن طریقے سے تکمیل کے مراحل سے گزارنے کیلئے عزیزان زاہد مختار، اظہار مبشر، عمر فیاض اور شکیل الرّحمان کا احسان مند ہوں۔

اس مجموعہ میں چند ایک طرحی غزلیں بھی ملیں گی۔

معزز قارئین سے یہی استدعا ہے کہ اس مجموعہ میں شامل کلام کے معائب ومحاسن سے مجھے آگاہ کرتے رہیں۔

علی شیدا

(نجدہ ون) نپورہ اسلام آباد کشمیر

(11 اکتوبر 2020)

غیر کے غم میں کھو گئے مولا
جو نہ ہونا تھا ہو گئے مولا

دل میں جگنو بسائے بیٹھے تھے
اور اندھیرے سمو گئے مولا

بخش دے اب کہ بحرِ عصیاں میں
ہاتھ ہم بھی ہیں دھو گئے مولا

سِسکیاں گونجتی ہیں نس نس میں
اوڑھ کر اَشک سو گئے مولا

تُجھ کو پانا ہے دور کی باتیں
ہم تو خود کے نہ ہوگئے مولا

ہم بھی رخصت کی راہ پر نکلے
وہ بھی آئے نہ جو گئے مولا

ہجر جاناں بتاؤں کیا شیداؔ
بوجھ بھاری تھا ڈھو گئے مولا

نعت اقدس ﷺ

مقامِ نورِ ازل ہے زمانِ رحمت ہے
حضورؐ آپکا اسوہ جہانِ رحمت ہے

سخن وحی سے جڑا ہے ادا ہے خوشبو کی
حریمِ غنچہ دہن میں زبانِ رحمت ہے

مہکتی سانس میں زمزم بھری طراوت ہے
سبیلِ پیاس کا ضامن دہانِ رحمت ہے

بتوں کو توڑ کے آئے صنم کدوں کے رہین
حضور پاک کی دعوت اذانِ رحمت ہے

نفس نفس میں پرویا مہک رہا ہے بدن
یہ ذکر اسمِ محمدؐ نشانِ رحمت ہے

اسی کے نور سے روشن جمالِ شمس و قمر
نظر نظر میں وہی کہکشانِ رحمت ہے

انہی کی یاد میں شیدؔا سکوں ہے سایہ فگن
اسی میں عمر گزاروں مکانِ رحمت ہے

☆

نعت

اعلیٰ ترین نام سے اعلیٰ کہوں اُنہیںؐ
بعد از خدا بزرگ ہیں آقا کہوں اُنہیںؐ

کُن کی صدا سے پیشتر اُس انتخاب کو
جو اولاً ہیں مُصطفےٰ اولیٰ کہوں اُنہیںؐ

رب نے خود ہی چُنا ہے جنہیں حُسن الکتاب
یاسیں کہوں مزمل و طٰہٰ کہوں اُنہیںؐ

ہیں مجُتبیٰ ہی باعثِ تخلیق کائینات
تقویم صنف شوق کا مطلع کہوں اُنہیںؐ

ہر سمت لطفِ اِذن شفاعت کا حشر میں
امُت کے آخری ہیں سہارا کہوں اُنہیںؐ

رقصاں ہوائیں شہر مدینہ کی عطر بیز
خوشبو فضائے موسمِ بطحا کہوں اُنہیںؐ

شیؔدا کی شاخِ دید پہ کھلتے ہیں سبز پھول
کیوں نا رسول پاکؐ کا شیدا کہوں اُنہیںؐ

نعت

قُران پڑھ کے دیکھ دبستانِ نعت ہے
خوشبوئے حرف ولفظ میں اعلانِ نعت ہے

مضمون ہست وبود ہے کنُ کی گرفت میں
مضمونِ کنُ فکان وہ عنوانِ نعت ہے

دھڑکن ، نفس، نگاہ، سماعت کہ صوتیات
''ہر شعبہء حیات میں امکانِ نعت ہے

تمہیدِ حرف ولوح وقلم صنفِ لامکان
تجسیم کائینات ہی جُزدانِ نعت ہے

امُید روزِ حشر ہو بخشش کی اور کیا
زنبیل خاکسار میں سامانِ نعت ہے

ادراک میں سمائے کہاں حُسنِ لامثال
حیرت جو منکشف ہے یہ وجدان نعت ہے

مدحت کے پھول چشمِ ندامت سے توڑ کر
مہکا رہا ہوں ہاتھ میں دامانِ نعت ہے

شیدؔا جو مدح خوانِ محمدؐ لقب ملا
فضلِ عطائے غیب ہے احسانِ نعت ہے

شعر کہیئے تو حمدیہ کہیئے
ساتھ میں خوب نعتیہ کہیئے

جیسے آئے ہو دشتِ کربل میں
آب دریا پہ مرثیہ کہیئے

ہم بھی اکتا گئے ہیں محفل سے
آخری بار تخلیہ کہیئے

یہ تو ساری کتاب ان پر ہے
اس میں جو ہوں میں حاشیہ کہیئے

ان کو ہر زاوئے سے دیکھا ہے
حسن کا کیا ہے زاویہ کہیئے

حسن الفاظ سے پروتا ہوں
نظمیہ ہے کہ غزلیہ کہیئے

وہ غزل کی طرح علی شیدؔا
جو بدلتی ہے قافیہ کہیئے

چین آتا ہے دل کو آنے سے
جان جاتی ہے تیرے جانے سے

عشق ظالم ہے عادتاً مجبور
باز آئے نہ سر اُٹھانے سے

لطف اندوز وقت ہوتا کیا
ایک مجھ شخص کو رُلانے سے

تھم نہ جائے بھی دھار اشکوں کی
بُجھ نہ پائے دیا سرہانے سے

خود کو ٹھہراؤں موردِ الزام
مجھ کو شکوہ نہیں زمانے سے

ہجر تھا صبر نے سہارا دیا
بوجھ ہلکا ہوا اُٹھانے سے

ہے تعلق ترا علی شیدآ
بول کس درد کے گھرانے سے

منظر میں تہہِ آب چُھپائے ہیں کئی خواب
پلکوں پہ نگاہوں نے اُٹھائے ہیں کئی خواب

ہے گاؤں یہاں سبز قبیلے بھی ہیں رہتے
ہم زرد چناروں کو دکھائے ہیں کئی خواب

نیندوں پہ بھی دستک دی اندھیروں میں مسلسل
اور دھوپ کی چادر میں سُلائے ہیں کئی خواب

ان سے بھی ہوئے دھوپ کے منظر جو شفق ریز
ہم نے بھی سرہانے ہی جلائے ہیں کئی خواب

اِک زادِ سفر مان کے نکلے ہیں ترا عکس
تب جا کے پڑاؤں میں در آئے ہیں کئی خواب

کتنے بھی ہوئے جذب تپِ دشتِ گُماں میں
بارش میں کئی بار نہائے ہیں کئی خواب

شیدؔا یہ اُسی سے ہے ملا تحفہ گہن کا
جس ماہ مکمل پہ لُٹائے ہیں کئی خواب

۴؍جنوری ۲۰۱۹: جموں

سوچوں پہ بارشوں کی رقم کیا کریں کتاب
ڈیرا ہے دشتِ آنکھ میں ڈالے کوئی سراب

موسم نیا ہے اس پہ یہ تازہ کِھلا گُلاب
پر تولتی ہیں تتلیاں آنکھوں میں بے حساب

مدت سے زیرِ گردِ تحیر پڑا ہوں میں
کُھلتا نہیں ہے مُجھ میں کہانی کا انتساب

بوجھوں میں چاندنی کی پہیلی کہ دھوپ کی
کچھ تو جواب دیجئے اے حسنِ لا جواب

خالی پڑا ہے راہ میں یہ کاسۂ نظر
خیرات اس میں آپ ہی کچھ ڈالیے جناب

کب کی اُڑائی نیند ہے آنکھوں سے ہجر نے
اُمید وصل پھر بھی دکھاتی ہے تازہ خواب

چھیڑا یہ کس نے ذکر جو چشمِ غزال کا
شیداؔ کہ دل ہے مائل جام و سبو شراب

۲؍جنوری ۲۰۱۹ء: جموں

ٹک ٹکی جب آنکھ کی تھک جائے گی
اشک سے شاخِ پلک نہلائے گی

رنگ سارے ہوگئے معدوم ہیں
ہم سے یوں تصویر کب بن پائے گی

عمر بھر نازوں سے پالا ہے جسے
ایک دن یہ زندگی ٹھکرائے گی

شب کی چادر میں ٹھٹھرتی ہے دعا
دھوپ کب ان روزنوں سے آئے گی

پھر تمہاری یاد کی تتلی کوئی
رنگ کاجل کا یہاں پھیلائے گی

داستاں صحرا نوردی کی میری
دھول اپنے آپ میں دفنائے گی

آرزو لیکر تھکن کی سلوٹیں
خواب کی اِک دھند میں سو جائے گی

سانس رُک جائے گی شیّدا دیکھنا
باولی جب چوڑیاں کھنکائے گی

۳۱/دسمبر ۲۰۱۹ :جموں

دل سے دل کا ہے تعلق منقطع
دکھ کہ دکھڑا ہے تعلق منقطع

جیب میں رکھے ہیں کچھ سادہ ورق
جن پہ لکھا ہے تعلق منقطع

دیکھ بستی میں رقیبوں کی مرے
خوب چرچا ہے تعلق منقطع

جیسے کچھ تھا ہی نہیں ، ہوگا نہ کچھ
یوں مُعمہ ہے تعلق منقطع

چل رہا صدیوں سے یونہی ہے مگر
اِک ذرا سا ہے تعلق منقطع

یہ تو ہوتا ہے محبت کی طرح
کون کرتا ہے تعلق منقطع

رابطہ ہر اِک سے ہے اب بھی مگر
خود سے شیداؔ ہے تعلق منقطع

۲۳ر دسمبر ۲۰۱۹ :جموں

کلیمی چھن گئی کیوں، کون گُم صُم ہو گیا ہے
کسی منظر میں لا یعنی تصادُم ہوگیا ہے

ٹھہر جائے اب ان آنکھوں میں ڈھلتی ریت شاید
نمی میں دفن یادوں کا طلاطُم ہوگیا ہے

مری آواز میں رقصِ جنوں کا ساز رکھ دو
کہ ہر نالہ جو دل کا خوش ترنُم ہوگیا ہے

کوئی ہے ڈھونڈتا رہتا جو مجھ میں عکس لیکر
کہ مجھ میں شخص کوئی مجھ سا ہی گُم ہوگیا ہے

ٹھہر جا آنکھ بھر کے دیکھ لوں اک بار جاناں
یہ دل اہل رہ چشم ترحم ہوگیا ہے

سفیر عشق تھا کیوں مورد الزام ٹھہرا
دیار حُسن میں کیا عدل بھی گُم ہوگیا ہے

در آئی ہے نمی اشعار میں شیدؔا کہاں سے
غزل کا جام خالی رشکِ قلزُم ہوگیا ہے

☆

جان ہے جو یہ ناتواں مجھ میں
بوجھ ڈھوتی رہی گراں مجھ میں

آرزوؤں کی دھوپ کے ٹکڑے
جمع کرتے رہے دھواں مجھ میں

اوس اُگانے لگی زمیں دل کی
چاند بُنتا ہے آسماں مجھ میں

رنگ سارے تمہارے منظر کے
اوڑھ لیتی ہے کہکشاں مجھ میں

عطر کر دے گا لمس کی بوندیں
کھل رہا ہے کوئی گماں مجھ میں

ہاں گلے سے نہیں اُترتی ہے
پھیل اتنی گئی ہے ناں مجھ میں

دھول خود کی اُڑانے لگتا ہوں
دشت رکھتا ہے خاک داں مجھ میں

دھوپ کروٹ بدلتی ہے یوں بھی
کھول دیتی ہے سائباں مجھ میں

بھیڑ میں ایک دن ملی تھی وہ
لکھ رہی ہے جو داستاں مجھ میں

موج در موج درد کی چیخیں
غم کا دریا رواں دواں مجھ میں

دیکھتا ہوں تو کچھ نہیں شیدؔا
سوچتا ہوں زماں مکاں مجھ میں

سانسوں پہ اپنی جیسے مسلط ہے دوڑ دھوپ
چھاؤں اُتارتا ہوں تو کہتا ہے اوڑھ دھوپ

ٹکڑے جو کر کے لے گیا پت جھڑ غُبار کے
لا فصلِ نوبہار ہر آنگن میں جوڑ دھوپ

موسم ہے سرد خواب ٹھٹھرتے ہیں رات بھر
برفاب دل کی وادیوں کی سمت موڑ دھوپ

یوں کوچ کر کے جا نہ مرے برف زار سے
یخ بستہ آئینے میں پڑی ہے جو توڑ دھوپ

لڑنا ہے پڑتا دھول اندھیروں سے تیرے بعد
خورشید کچھ تو خواب منڈیروں پہ چھوڑ دھوپ

صحرائے ریگِ قیس کا شیدا ہوں راہ رو
آتشِ فشاں جنوں ہے میرا سر نہ پھوڑ دھوپ

☆

میں نے کہا کہ زلفِ گرہ گیر کھُل کے ڈھانپ
اُس نے کہا کہ بھاگ ڈسے گا یہ کالا سانپ

اُس نے کہا کہ دیکھ میں عُریاں لباس ہوں
میں نے کہا کہ چیتھڑوں میں لے مجھے بھی ڈھانپ

میں نے کہا کہ پنکھڑی کو اوس کی تلاش
اُس نے کہا کہ نخلِ نظر بوند بوند بھانپ

اُس نے کہا کہ آؤ مسافت کو دیکھ لیں
میں نے کہا کہ گردِ سفر آبلے تو بھانپ

میں نے کہا کہ آئینے پہ عکس کر دھمال
اُس نے کہا کہ رقص جما ہاوہو پہ ہانپ

اُس نے کہا کہ راہ میں سے راستہ نکالِ
میں نے کہا کہ راستے پہ جابجا ہیں سانپ

میں نے کہا کہ درد سے شیدؔا ہوا تمام
اُس نے کہا کہ اور ذرا اور یار کانپ

دبے خوابوں کے منظر دیکھتے ہیں
پُرانے گھر کے کھنڈر دیکھتے ہیں

کبھی فرصت سے دیکھیں گے اُجالے
اندھیروں کے ابھی گھر دیکھتے ہیں

جو خوشبو سونگتے ہیں تشنگی کی
وہ صحرا میں سمندر دیکھتے ہیں

کبھی جوشِ جنوں کی سرکشی تھی
کبھی چُپ چاپ اندر دیکھتے ہیں

ہوئی زرخیز کیا دامن کی دُنیا
یہ آنسو خود اُتر کر دیکھتے ہیں

اُنہیں نسبت ہے گُم گہرائیوں سے
نہیں ساحل شناور دیکھتے ہیں

غزل پھوٹی ہے کیا آنکھوں سے شیدؔا
مجھے کیوں کر سخنور دیکھتے ہیں

سخنور تیرے لفظوں کی حلاوت میں مِلاوٹ ہے
مزاج درسِ اُلفت کی طراوت میں مِلاوٹ ہے

زمانہ ہے فریبوں کا فسانہ دستگیری کا
کہ اب ہاتھوں میں لوگوں کے سخاوت میں مِلاوٹ ہے

در آئے ہیں یہاں الفاظ ایسے بھی کہانی میں
نہاں جملوں میں مضموں میں کہاوت میں مِلاوٹ ہے

تصور میں ٹھہرتی ہیں کہاں اصناف کی شکلیں
غزل اور نظم کی باہم تفاوت میں مِلاوٹ ہے

طِلمسی زاویُوں پر ہیں معانی کاغذی کھلتے
فنونِ فصلِ تازہ کی بغاوت میں مِلاوٹ ہے

ہوا کی رنگ و بو کی تتلیوں کی دھوپ چھاؤں کی
گھٹا بارش کی شبنم کی طراوت میں مِلاوٹ ہے

مزا ہی اب نہیں شیدؔا محبت میں رقابت کا
عدو ایسے کہ جن کی ہر عداوت میں مِلاوٹ ہے

میں خود میں خوف ہوں مجھ کو ڈرانا ہے عبث لوگو
تبسم کا کوئی گُر آزمانا ہے عبث لوگو

نکل آیا ہوں اپنے دائروں سے اس قدر باہر
حصارِ رقص میں واپس بُلانا ہے عبث لوگو

پیادہ جیت کے آگے ہوں رکھتا مات کے مہرے
اب اس ہارے ہوئے کو پھر ہرانا ہے عبث لوگو

درآئی گرد آلودہ مسافت ہے نگاہوں میں
جھٹک کر ململی دامن بچانا ہے عبث لوگو

سبھی الفاظ ہیں دیمک زدہ اپنی کہانی کے
اسے اب کھولنا پڑھنا پڑھانا ہے عبث لوگو

جبین عشق کو حُسنِ ازل دہلیز مِل جائے
ہر اکِ در پر یہ اپنا سر جھُکانا ہے عبث لوگو

چراغاں روز ہوتا ہے تیری پلکوں پہ اشکوں کا
کہو شیؔدا سے زخموں کا چھُپانا ہے عبث لوگو

پُرانے لوگ ہم ہیں جب دُعائیں مانگ لیتے ہیں
خدا سے کچھ نہیں بس اپنی مائیں مانگ لیتے ہیں

گُماں تک بھی نہ تھا ایسی تمازت دھوپ لے آئے
مسافت کے جنوں زادے گھٹائیں مانگ لیتے ہیں

اب ان بکھرے ہوئے بالوں پہ چاندی بھی اُتر آئی
محبت کے کٹہرے میں وفائیں مانگ لیتے ہیں

دریدہ دل کا دامن ہے پساریں کیا سمیٹیں کیا
سلگتے ہونٹ غم دیدہ عطائیں مانگ لیتے ہیں

فضاؤں کے بدلنے کا ہے جب بھی وقت آ جاتا
تو موسم کاشمر سے ہی ادائیں مانگ لیتے ہیں

سماعت چھین لی ہے آندھیوں کے شور نے ہم سے
چلو خاموش لمحوں سے صدائیں مانگ لیتے ہیں

یہ بستی ہے عجب شیدؔا یہاں عُریان لوگوں سے
ردائیں مانگ لیتے ہیں قبائیں مانگ لیتے ہیں

☆

مجھے اچھا تم ہی جیسا لگا ہے
یہ مت پوچھو کہ کب کیسا لگا ہے

میں آئینہ نہیں پتھر ہوں کوئی
تعجب ہے تجھے ایسا لگا ہے

کسی کی جھونپڑی پہ تاج محلو
سہی تھوڑا مگر پیسا لگا ہے

گماں ہونا عبث تھا ہر گماں پر
جو سوچا تھا مجھے ویسا لگا ہے

نہ جانے آج کیوں یادوں کا شیدؔا
سفر ہوتا ہوا طے سا لگا ہے

☆

☆

عقیدت کا یہ آئینہ بھی کافر ہوگیا ہے
ان آنکھوں میں کسی کا عکس پیکر ہوگیا ہے

گُل تر کیا کھِلائے گا بتا شاخ پلک پر
کہ مُجھ میں آب وگلِ کا شخص پتھر ہوگیا ہے

ہم اپنی پیاس چھوڑ آئے تھے برسوں کی جہاں پر
وہ صحرا اب تو اشکوں کا سمندر ہوگیا ہے

کوئی کھڑکی نہیں کھُلتی نہ کوئی جھانکتا ہے
مکاں سا اب تو اس بستی کا ہر گھر ہوگیا ہے

تبسُم کی ذرا جنُبش میسر بھی کہاں اب
مسلط جیسے ہر لب پر کوئی ڈر ہوگیا ہے

محبت کا جو سورج تھا ہمارا گردشوں میں
شفق کی سرخیوں میں گُم سا منظر ہوگیا ہے

عبث ہے نقشِ سنگِ وصل در شیدؔا جی ملنا
جبیں پر داغِ فرقت ہی مُقرر ہوگیا ہے

ملا جو آئینہ اُف کتنا ڈر گیا
دیوار سے گرِا تو گرِا اور بکھر گیا

تب لمس لمس موج تھی اُٹھتی خیال میں
عہدِ شباب وحُسن کا دریا اُتر گیا

پنچھی تمہاری یاد کے ڈھونڈوں کہاں کہاں
کوئی ادِھر گیا تو ہے کوئی ادُھر گیا

آنکھوں میں اُسکی وعدوں کا تھا کب نہ جھوٹ موٹ
اچھا ہوا کہ وقت سے پہلے مُکر گیا

عنواں رہا جو میری کہانی کا عُمر بھر
وہ شخص مجھ میں جی کے مرے ساتھ مر گیا

شیداؔ ہوس نہ چھیڑ محبت کی بات کر
دستار جب گئی تو یہ سمجھو کہ سر گیا

اشعار کہہ رہے ہیں قلم کار بھی تو ہو
تخلیقِ درد سے جڑُا فن کار بھی تو ہو

اب جس مُقامِ حق پہ کھڑے ہم ہیں سر لئے
اُس قتل گہہ میں کوئی عزادار بھی تو ہو

مانا کہ ہم نے ترکِ تعلق بھی کرلیا
اب تک اُٹھائی بیچ میں دیوار بھی تو ہو

پگھلے گا برف زارِ محبُت کا انجماد
اس پار جوش وصل ہے اُس پار بھی تو ہو

بستی سے حُسن کی بھی چلا آئے گا طبیب
گاؤں میں اپنے عشق کا بیمار بھی تو ہو

غالبؔ جگرؔ کی میرؔ کی مومنؔ کی بات دور
شیداؔ کے حُسن شعر سا معیار بھی تو ہو

☆

☆

کسِ نشے میں نیا زمانا ہے
ہر گلی میں شراب خانہ ہے

یونہی پاؤں میں ہے نوردی کب
دشت میں اپنا آب و دانہ ہے

عشق میں کیا علامتیں ڈھونڈیں
یہ فقط درد کا فسانہ ہے

اس طرف سجدہ گاہِ خاکِ بدن
اُس طرف دل کا آستانہ ہے

حسُن مت دیکھ خستہ دیواریں
کھول در عشق کا گھرانہ ہے

لمس اپنے میں اب اُتار مجھُے
میرے پیچھے پڑا زمانہ ہے

ہے یہ شیؔدا غزل کا شیدائی
اور لہجہ بھی شاعرانہ ہے

☆

تاش پتے کمال رکھتا ہوں
بند مٹھی میں چال رکھتا ہوں

دشتِ ماضی میں گھومتے رہنا
پا بہ زنجیر حال رکھتا ہوں

وہ کہاں کے یقین تک آئے
میں کہ جس کا خیال رکھتا ہوں

عکس تقسیم کیا کریں چھوڑو
آئینے میں ہی بال رکھتا ہوں

ہے جو دیوار میں دراڑ آئی
اُس میں اپنا زوال رکھتا ہوں

تم بھی یہ آخری جواب اُٹھاو
میں بھی پہلا سوال رکھتا ہوں

ان مثالوں سے کیا کھُلے منظر
آنکھ میں بے مثال رکھتا ہوں

توڑ کر لو گمُان کے پیکر
جوڑ کر خدوخال رکھتا ہوں

عمُر کو چھان کر علی شیدؔا
درد کے ماہ وسال رکھتا ہوں

دیدو نظر میں ہے بسا نقش مٹا کے دیکھ تو
اور جو عکسِ لا بہ لا اُس پہ بنا کے دیکھ تو

تخت نشیں ہے خامشی جھانک رہے ہیں آئینے
توڑ کے جوڑ کرچیاں، عکس ملا کے دیکھ تو

چاک نمود رخت کر اور جنوں کے رن میں آ
دشتِ گُماں میں کر دھمال خاک اُڑا کے دیکھ تو

بابِ عطا کے سامنے حرف دُعا پیار لے
لعل وگُہر کی بخششیں اشک لُٹا کے دیکھ تو

توڑ نظر کی سرحدیں چھوڑ گُماں کے دائرے
ہوکے رہے گا سر بلُند دل تو جھکا کے دیکھ تو

دم میں نہیں ہے پرورش تاب ہُنر میں لغزشیں
خود سے جُدا ہوا ہے کیوں خود کو منا کے دیکھ تو

چاند لئے جو ہاتھ میں گھوم رہا ہے شیداؔ جی
اس کو ذرا سا دھوپ میں سرمہ لگا کے دیکھ تو

خود کو پاگل کیا ایسے پاگل ہیں ہم
پھر بھی سمجھے نہیں کیسے پاگل ہیں ہم

شربتِ تشنگی وسعت دشت دِل
اے سفر در سفر طے سے پاگل ہیں ہم

بات کرلی تو کیا دھیان مت دیجئے
بات اچھی لگے ویسے پاگل ہیں ہم

ہم زباں تھا نہیں ساتھ چلتا کوئی
جیسے پر لکھِ دیا ایسے پاگل ہیں ہم

خاک ہیں خاک پر رقص اپنا کریں
پھینکتے لوگ ہیں پیسے پاگل ہیں ہم

ایک آواز تھی جس پہ شیدآ ہوئے
پیرِ رومی تری نے سے پاگل ہیں ہم

☆

خود کو ہم نے یوں گُزارا دھوپ میں کُچھ چھاؤں میں
ہر قدم رحتِ سفر میں ہر سفر اک پاؤں میں

چاک یوں کرتا ہے سناٹوں کے خیمے شور و غُل
دشتِ کربل آبسا ہے جیسے اپنے گاؤں ہیں

تھک چُکا ہوں اب تو اس میقات پہ ٹھہرے ہوئے
جنبشِ کُن اذن دیدے آؤں میں یا جاؤں میں

پھر یہی اک رزق طے پایا ہمارے درمیان
غم بے چارہ مجُھ کو کھائے اور غم کو کھاؤں میں

دھارِ گریہ سے کہاں سیراب ہو دشت بدن
سوچتا ہوں آنکھ سے قلزم اُٹھا کر لاؤں میں

دستِ شفقت کیا اُٹھائے سر سے مرگِ ناتواں
ماں چُھپا رکھی ہے ہم نے گاؤں بھر کی ماؤں میں

کشتیاں ہوتی محبت کی بھری پھولوں سے تب
اب تو بجری ریت ڈھوتے ناخُدا ہیں ناؤں میں

پھر علی شیؔدا وہی آلام تنہائی کی رات
پھر طلوعِ صُبح تک کچھ زخم ہی سہلاؤں میں

☆

روز و شب جو یہ دائرے میں ہوں
اکِ خسارے کے فائدے میں ہوں

مُجرموں کے خموش زنداں میں
جُرم کرتا ہوں قاعدے میں ہوں

رات کی روشنی نے گاڑا ہے
غار کے وسط زاویے میں ہوں

یوں مردف ہوں آخری حد تک
شعر اُلجھن کے قافیے میں ہوں

زہر اپنا بھی چکھ نہیں پاتا
زندگی تیرے ذائقے میں ہوں

آخری ہے غزل یہ سانسوں کی
موت کے اکِ مشاعرے میں ہوں

کوئی نیلام گھر نہیں شیدؔا
میں ازل سے ہی ماہدے میں ہوں

☆

عشق کے مذہب میں کافر ہوگئے
بُت شکن تھے دستِ آزر ہوگئے

ایک مدت تک تھے آئینوں کے ساتھ
ایک مدت سے ہیں پتھر ہوگئے

چُن لیا شوق جنوں نے ریگ زار
تشنگی اوڑھی سمندر ہوگئے

درد و غم کا قافلہ آکر مِلا
شوقِ تنہائی میں لشکر ہوگئے

چاند نے اوڑھا ہے کیا رنگِ شفق
سُرخ کیوں نیلے سمندر ہوگئے

آنسوؤں نے آنکھ میں دہکائی آگ
راکھ یوں خوابوں کے منظر ہوگئے

ہے وطن فردوس بر روئے زمین
روح شیدؔا دل کشپ مر ہوگئے

☆

زندہ جو تھے وہ ڈر گئے سارے
یعنی جیتے جی مر گئے سارے

ہم ہی دو چار گھر اُٹھا لائے
آٹھ دس تھے جو گھر گئے سارے

صرف دستار ہی سلامت ہیں
جن پہ رکھے تھے سر گئے سارے

عکس موجود ہیں نگاہوں میں
زخم جو تھے وہ بھر گئے سارے

اوس تھی اشک بن گئی اپنا
پھول تھے آپ پر گئے سارے

ساحلوں پر تھے چڑھ گئے دریا
باری باری اُتر گئے سارے

اک اکیلا ادھرِ رہا شیؔدا
باقی جو تھے اُدھر گئے سارے

کُھل نہ سکا جو ایک بھی حرف کتاب زندگی
چشم سوال وا رہی سوئے جواب زندگی

جوڑ تمام ہندسے اور مرگِ نہاں سے ضرب دے
دیکھ یہ حاصلِ صفر ہے جو حسابِ زندگی

نقشِ بدن سیال کر چاٹ متاع آب وگل
خاک فقط ہے پردے میں پھاڑ نقابِ زندگی

رنگ تمام جمع کر شاخ سے خوشبوئیں سمیٹ
گردِ ملالِ عکس کھینچ جھاڑ حجاب زندگی

آنکھ چُرائیں کس لئے ناز اُٹھائیں کب تلک
موت سے کم بھی ہے نہیں سہنا عذابِ زندگی

آنکھ کُھلے تو آئینگی ہاتھ میں شیدؔا کرچیاں
قیس ہوں شب گزینِ دشت اوڑھ کے خواب زندگی

☆

وحشتوں کی رات تھی خواب کو سُلا دیا
درد کے شعور کو ہم نشیں بنا دیا

چاندنی کے گاؤں میں اس طرح نہ جھانکئے
چاند ماند پڑ گیا سوؤں کو جگا دیا

اکِ طویل ہجر میں قطرہ قطرہ آنکھ نے
چاہتوں کا قرض تھا قسطوں میں چُکا دیا

دھوپ کی تمازتیں پی چکا ہوں اس قدر
خود کو دریا کی طرح ریت پر بہا دیا

کچھ قرار تو ملے آپ کی نگاہ میں
کوزہ گر نے مدتوں چاک پر گھما دِیا

حُسن کی پہلیاں شوخیوں میں ڈھل گئیں
عشق کے مدار پر ڈال کر نچا دیا

چشمِ یار کی نظر ہائے شیدا کیا کہوں
گردِ پائمال کو کیا سے کیا بنا دِیا

☆

اکِ گُمان ہی تو تھا چل پڑا یقین پر
دھوپ تھا بچھا رہا رات کی زمین پر

شش جہت کی گنتیاں گُن میں تھا پرو رہا
میں ٹھہر گیا وہیں ایک دو کہ تین پر

وقت کچھ قلیل تھا اور سفر طویل تھا
دنِ گُزارتا رہا سانس کی مشین پر

دشت سے نکل پڑا دائروں کی سمت میں
دھوپ کو سُلا دیا چاند کی جبین پر

چیتھڑے نچوڑ کر اشک سے وضو کیا
اور ادا نماز کی خشک آستین پر

خوشبوؤں کی آہٹیں کہکشاں کے راستے
شہسوار تھا کوئی روشنی کے زین پر

برف کی پہلیاں درد کی سہیلیاں
لکھِ رہا ہوں شیؔدا جی عکسِ آبگین پر

☆

درد کی شاخ پر کہاں ٹھہرا
ہر فلک کاٹ کر گُماں ٹھہرا

آگ کی داستاں سُنائی تھی
آنکھ میں رات بھر دھواں ٹھہرا

چاند نے جھانک کر کسے دیکھا
صبح تک شام کا سماں ٹھہرا

ہجر کی ایک ہی کہانی ہے
جو عیاں تھا وہی نہاں ٹھہرا

خامشی اوڑھ کر ملا ہم سے
ساتھ میں تھی کوئی اذاں، ٹھہرا

گردشوں میں رہی نہیں ہلچل
خامشی پر تری جہاں ٹھہرا

گُلستاں کو نظر لگی شیدؔا
شاخ در شاخ ہے خزاں ٹھہرا

آپ اپنا نقش سا جو خواب کے منظر میں تھا
اکِ سپاہی کی طرح ہارے ہوئے لشکر میں تھا

ریزہ ریزہ کر دیا جس کو طلِسم شوق نے
کوہکن کی آنکھ کا پانی اسُی پتَھر میں تھا

سب دلیلیں تھیں مُسلماں ہوگئیں اکِ رات میں
سو خداؤں کے کٹہرے میں کھڑا کافر میں تھا

دستکوں نے توڑ کے در بھر دیا خالی مکاں
انِ دنوں کچھُ گھر کے اندر تھا نہیں باہر میں تھا

ابرِ گریاں کو نہ تھی سوکھے جزیروں کی تلاش
دھوپ کا موسم بھی پیاسا آنکھ کے پنجر میں تھا

قبر پہ منصف نے جاکر ہے سُنایا فیصلہ
دستِ قاتلِ صاف نکلا خون تو خنجر میں تھا

اک حسیں قامت پہ شیدا دلِ تھا اپنا آ گیا
بُت شکنِ محوِ تماشہ جن دنوں آزر میں تھا

☆

دھوپ کو پہن لیا آفتاب کی طرح
اوڑھ لی ہے چاندنی ماہتاب کی طرح

ایک لمحہ وصل کا یاد سے نکال کر
آنکھ میں چُھپا لیا ایک خواب کی طرح

آئینوں کو توڑ کر عکس عکس جوڑ کر
سامنے ہے رکھ دیا انتخاب کی طرح

ہاتھ مت لگا مُجھے دھول ہوں پرت پرت
میں ہوں طاق پر پڑی اک کتاب کی طرح

ہاو ہو کے شہر میں پھیلتا ہوں خامُشی
دھُند ہوں دھواں دھواں یا سراب کی طرح

کانچ کے مدار سے باہر آ گیا ہوں کیا!
گر رہا ہوں ٹوٹ کر یوں شہاب کی طرح

جی رہا ہوں مان کر شیؔدا سکُھ کی زندگی
پی رہا ہوں درد وغم دُکھ شراب کی طرح

دستار ہے میسر تیار سر نہیں
مٹی پہ میری مائل ہی کوزہ گر نہیں

بے سمتیت کو لیکر تنہا نکلِ پڑا
رسوائیوں کی چادر لٹنے کا ڈر نہیں

اک دشتِ لا بہ لا ہے خاموش چارسو
اس پر مرا مسافرِ کھُلتا سفر نہیں

خوش رنگ لوگ اپنے خوش رنگ ہیں مکاں
ڈھونڈیں تو بستیوں میں اکِ آدھ گھر نہیں

کچھُ دیر اپنے قد میں بہلاتے ہیں تھکن
ملتیِ نہیں ہے چھاؤں اُگتا شجر نہیں

شیؔدا ہے چشم گریہ خود درد بن گئی
اب آہ کی دواَ میں بھی کچُھ اثر نہیں

☆

کیا طول انتظار تھا ہندسوں سے پوچھئے
صدیوں کے ہر برس کے مہینوں سے پوچھئے

وہ ساعتیں جو ہم نے گزاری ہیں ہجر میں
تفصیل دردِ غم کے صحیفوں سے پوچھئے

ایسا مرض ہے چاہیئے دو گھونٹ وصل کے
ورنہ ہے لاعلاج طبیبوں سے پوچھئے

کس طرح آج لوگ نبھاتے ہیں دُشمنی
اپنے ہی آس پاس رفیقوں سے پوچھئے

لفظوں پہ شوخ رنگ معانی لٹا دیئے
باتوں پہ بے وفا کی قصیدوں سے پوچھئے

تُف آج کل کے اہل قلم، مصلحت پسند
حق گو کی شان بان صلیبوں سے پوچھئے

شیدؔا وہ عہد قیس تھا تاریخ بن گیا
اس دور کے بھی طور طریقوں سے پوچھئے

اُس جیسا اُس کے بعد تو منظر نہیں مِلا
پھر لامکانِ دلِ کا کوئی در نہیں ملاِ

اس دورِ پُر سراب میں اُلجھے ہیں راستے
اسِ کوہکن کو آج بھی پتھر نہیں ملا

منصف نے فیصلہ یہ لکھا اُلٹے ہاتھ سے
قاتلِ کے دست راست میں خنجر نہیں ملاِ

شاید جنوں مزاج وہ ہمزاد مر گئے
اس بار شہر قیس میں پتھر نہیں ملاِ

لوگوں کے اژدہام میں قحط الرجال تھا
دستار خود کو کوستا تھا سر نہیں مِلا

اور کس میں اپنی خاک اُڑانے کا تھا ہُنر
اس کارِ رائگان میں ہمسر نہیں مِلا

شیؔدا قبائے خاک پہن خاک زاد ہوں
کوئی لباس خاک سے بہتر نہیں مِلا

☆

خاک ہوں راہ راہ بکھرا ہوں
چاک پر کھِل اُٹھا سا غنچہ ہوں

نقطۂ انجماد ہے چھونا
دشت کی پیاس سے اُبلتا ہوں

صِنف تقویم گردشوں میں ہے
رقص میں اپنے میں بھی ٹھہرا ہوں

بُجھ گئے خواہشوں کے سب منظر
لو دیے کی نہ شعلہ برہنہ ہوں

دھوپ کمرے میں سوگئی عُریاں
مجھ کو سرکا دو کالا پردہ ہوں

کھُل نہ جاؤں سکوت کے دم پر
میں بھی اکِ شور کا خُلاصہ ہوں

پھر تعارف ہو مانگتی میرا
پھر کہوں کیا کہ تیرا شیدا ہوں

اُردو

پڑھو نُطقِ مُحبت سے کہ اردو ہوں
نگاہے پُر عقیدت سے کہ اردو ہوں

نہیں شرقی نہیں غربی نہ بیگانی
مجسم حسُنِ سنگت سے کہ اردو ہوں

نکھرتی ہے فضاء مجھ سے تخیل کی
مہکتی میری فطرت سے کہ اردو ہوں

بیاں درسِ تکلُم سیکھ لیتا ہے
میری صنعت سے حرفت سے کہ اردو ہوں

یہ جو پرواز سیکھی ہے زبانوں نے
مرے ابعادِ رفعت سے کہ اردو ہوں

ہوں نعت ومنقبت حمد و ثنا سے پُر
فصاحت سے بلاغت سے کہ اردو ہوں

چمن نے شوق سے کی پرورش میری
گلوں نے شان وشوکت سے کہ اردو ہوں

ملمع ہوں نبات و قند چیزوں سے
معانی کی حلاوت سے کہ اردو ہوں

نہ مُسلم ہوں نہ ہندو سکھ نہ عیسائی
جُڑی ہوں نا کسی مت سے کہ اردو ہوں

دھنک ہوں تشنۂ رنگوں نے تراشا ہے
بڑی محنت سے فرصت سے کہ اردو ہوں

ہو غالبؔ میرؔ یا اقبالؔ ہو شیداؔ
معلّٰی میری دولت سے کہ اردو ہوں

☆

دُکھ سے کیا کیا نکال لیتا ہوں
ہنس کے رونا نکال لیتا ہوں

توڑ کر آئینے کو نظروں سے
عکس لا کا نکال لیتا ہوں

بھیڑ لوگوں کے درمیان لاکر
وقت اپنا نکال لیتا ہوں

ہاتھ آئے جو قافیہ تجُھ سا
شعر اچھا نکال لیتا ہوں

دشت بھرتا ہوں یہ جو آنکھوں میں
اپنا رستہ نکال لیتا ہوں

خود پہ گرتا ہوں بارشیں بن کر
دلِ سے شعلہ نکال لیتا ہوں

اکِ تعلق کو چھیڑ کر شیدؔا
خود پہ غُصّہ نکال لیتا ہوں

خیمہ زن ہونے چلا خواب نگر شام کے بعد
کتنے چپ چاپ سے لگتے ہیں شجر شام کے بعد

کاٹ لے دشت ابھی دھول پڑی ہے پیچھے
ہوہی جائیگی کہیں رات بسر شام کے بعد

زادِ رہ ہاتھوں میں اپنے ہے مسافر کو مرِے
کھول دے گا کوئی دستک پہ ہی در شام کے بعد

اس زمیں زاد پہ نظریں ہیں سبھی کی جو لگیں
اے فلک زادی مرے گھر میں اُتر شام کے بعد

خوف تنہائی سے ہوتے ہیں گریزاں نہ کبھی
ہمسفر ہے جو یہ خوابوں کا سفر شام کے بعد

پھیل جاتا ہوں جو بستر پہ تکانوں کی طرح
آشبِ غم تو مرے پر ہی کتر شام کے بعد

ڈر سا لگتا ہے جو سناٹوں سے شیؔدا یوں کریں
اپنی گلیوں سے تو خود اُٹھ کے گزر شام کے بعد

ہر اک کردار کو جھوٹی کہانی نے بگاڑا ہے
سُوادِ تلخ عنواں خوش گُمانی نے بگاڑا ہے

اُسے لیکر کسی بوڑھے شجر کے سامنے رکھدو
بڑا معصوم تھا کل تک جوانی نے بگاڑا ہے

وہاں پر سرد جاڑا ہے جہاں پر دھوپ ہونی تھی
مرے موسم کو میری پاسبانی نے بگاڑا ہے

ظہورِ حرف ہی ساری دلیلوں کی ضمانت ہے
شعورِ لفظ کو قیدِ معانی نے بگاڑا ہے

نگاہوں سے بھی ہوتی گفتگو ہے بُرد باروں میں
تکلُم کا یہ حُلیہ لن ترانی نے بگاڑا ہے

متاعِ درد کی تخلیق بھی شب زاد ہے لیکن
یہ منظر آہ کی اکِ ضوفشانی نے بگاڑا ہے

قفس کی داستاں ہوں میں مجُھے معلوم ہے شیّدا
مرِا مضمون میری بے زبانی نے بگاڑا ہے

☆

ہوا کے سامنے رکھا دیا ہے
بڑی اُمید کی چھوٹی ضِیا ہے

متاعِ ہجر جوں کی توں سلامت
گریباں چاک تک نا سی لیا ہے

سمندر بھی تری تحویل میں تھے
پیاسے دشت کا پانی پیا ہے

مُحبت تو مجھُے اپنا خُدا مان
تجھُے تو میں نے ہی پیدا کیا ہے

پہنچتی ہے نظر جب بے لباسی
وہی سجدہ مکمل بے ریا ہے

جو پل پل مر کے جینے تک نہ آئے
یہ کیا کم ہے کہ مرنے تک جِیا ہے

محبت تھی کبھی شیّدا عبادت
دلوں کے درمیاں اب مافیا ہے

سُن سلطنتِ دل کے تو شہزادے جَری تُف!
کوہ قافِ نظر سے نہ اُٹھا لایا پری تُف

وہ شامِ تصور میں چراغانِ ستی سر
آبیدہ قمر تارے وہ اکِ بالادری تُف

بُت ہاتھ لگا گرچہ مگر سنگ نہ چھوٹا
آئی نہ مرے کام مری شیشہ گری تُف

کِھلتی ہے کہیں دھوپ تو بُجھتی ہیں نگا ہیں
چلتیِ جو ہوائیں بھی وہی دھول بھری تُف

کچُھ بہرِ ہُنر چاہیئے بھی زرد خزاں کو
پھر زد پہ تغیرّ کی ہر اک شاخ ہری تُف

وہ بحری لکیروں میں بٹا آدھا سفر تھا
یہ آدھا سفر خاک اُڑاتا ہے بری تفُ

انجامِ محبت سے شکایت ہے یہ شیدؔا
تھی آرزو جس دِل کی اُسی دِل میں مری تُف

میں خود سے بچھڑ جاؤں اگر سوچ ذرا سوچ
اور ہاتھ نہ پھر آؤں اگر سوچ ذرا سوچ

ڈر جائے ترِے شہر فُغاں شور و نوا سے
مر جائے مرا گاؤں اگر سوچ ذرا سوچ

تنہائی کا کھینچے نہ کوئی سر سے دوپٹہ
پھسِلا جو کہیں پاؤں اگر سوچ ذرا سوچ

گرِ جاؤں تو آہٹ بھی مسل دے گی مری سانس
اس بھیڑ میں گھبراؤں اگر سوچ ذرا سوچ

جس پیڑ نے لوری سے تمازت کو سُلایا
جل جائے وہی چھاؤں اگر سوچ ذرا سوچ

بازارِ طلسمات سے لاتا ہوں کھلونے
دلِ ہے کہ نہ بہلاؤں اگر سوچ ذرا سوچ

شیدؔا ہوں کرو فرض کروں عشق دُبارہ
خط تُم سے ہی لکھواؤں اگر سوچ ذرا سوچ

دل سے ابھی ملے نہ جو راحت کے سلسلے
خود پر کئے سوار ہوں ہجرت کے سلسلے

اک سجدہ خود سُپردگی کا خاک نے چُنا
خوشبو کی طرح پھیلے عبادت کے سلسلے

منظر جو ہست و بود کا ہے چشم خواب میں
بھرتے ہیں اس میں رنگ محبت کے سلسلے

امُید جن سے باندھ کے رکھی تھی دردِ جاں
پُہنچے نہ اب تلک وہ عیادت کے سلسلے

تُف عہد خوں چکان کے ماتم پسند پر
پی کر بُجھائی پیاس فراغت کے سلسلے

سورج ستارے چاند وہ جگنو کہ ہو چراغ
ان پر بھی حکمران ہیں وحشت کے سلسلے

اک آرزو تھی جس کے حوالے سے بات کی
شیؔدا جڑے ہیں جس سے ریاضت کے سلسلے

☆

بدل نہ گھر دِئے ہوتے کہانیاں ہوتیں
کہانیوں کے گھروں میں بھی نانیاں ہوتیں

شعور آنکھ نے سارے وہ زخم دھو ڈالے
ہمارے پاس گُلابی نشانیاں ہوتیں

جلائی ڈائریاں ہم نے شباب راتوں کی
وگرنہ اب بھی وہ زندہ کہانیاں ہوتیں

چراغِ وصل بُجھاتی نہ ہجر کی آندھی
ہمارے حجرے میں بھی ضو فشانیاں ہوتیں

شعور عشق سے چھٹتی وفا کی دھُند نہ گر
درونِ شوق وہی خوش گمانیاں ہوتیں

جہادِ دشت نوردی فقط ہے کارِ زیاں
کمائی ہاتھ میں دو اک نشانیاں ہوتیں

غزل میں مرچ مسالا جو ڈالتے شیدؔا
تمہارے لہجے میں بھی لن ترانیاں ہوتیں

چہرے تھے کئی دھوپ میں کالے بھی ہوئے اُف
اک رات میں وہ چاندنی والے بھی ہوئے اُف

لالے ہیں پڑے خُون کے تُف ہونٹوں پہ جن کے
چھاتی سے کسیِ دودھ کے پالے بھی ہوئے اُف

چھوٹی نہ ابھی رقص کی دیرینہ ادائیں
پاؤں میں نئی بیڑیاں ڈالے بھی ہوئے اُف

جو گوہر نایاب نوردی کی عطا تھی
وہ نقش کسی پاؤں کے چھالے بھی ہوئے اُف

کُچھ دھوپ کے ٹکڑے جو اُڑائے تھے چمن میں
پت جھڑ میں وہی برف کے گالے بھی ہوئے اُف

یہ دور تو نفرت کی تجارت کا ہے شیدؔا
اس دور میں چاہت کے گھوٹالے بھی ہوئے اُف

☆

☆

خوشبو پہ اختیار جو تھا پیار ہی تو تھا
سانسوں پہ اعتبار جو تھا پیار ہی تو تھا

کھولی جو ایک بار تھی کھڑکی کھُلی رہی
آنکھوں میں انتظار جو تھا پیار ہی تو تھا

ہونٹوں نے شاخ لب کو چُھوا کیا غلط کیا!
چاہت بھرا خمار جو تھا پیار ہی تو تھا

رسوائیوں کا خوف تھا کسِ شاہزاد کو
مضمونِ اشتہار جو تھا پیار ہی تو تھا
آشفتگی کا روح و بدن اوڑھے پیرہن
ملبوس تار تار جو تھا پیار ہی تو تھا

دریا وصالِ بحر فراواں میں موجزن
اکِ سیل آر پار جو تھا پیار ہی تو تھا

اکِ اسپِ بے لگام ہوا تھا یہ جسم وجاں
گرِتا نہیں سوار جو تھا پیار ہی تو تھا

دوپل حصار درد میں آتا بھی تھا قرار
دربارِ غمگسار جو تھا پیار ہی تو تھا

ہم گردش مدار میں آئے نہ اس لئے
اپنا الگ مدار جو تھا پیار ہی تو تھا

نعم البدل نہ ڈھونڈ یمین وُیسار میں
ہوتا ہی ایک بار جو تھا پیار ہی تو تھا

اسِ ہا وہو میں نام رہا جس کا وردِ لب
شیدؔا فراق یار جو تھا پیار ہی تو تھا

تم کہیں ہو نہ ہو ہمیں کیا ہے
آوٗ جاوٗ رہو ہمیں کیا ہے

ہم سماعت سے آگئے باہر
ہاں کہو ناں کہو ہمیں کیا ہے

آخری وار ہے محبُت کا
ہجر زادے سہو ہمیں کیا ہے

سنگ بازوں کا فیصلہ سُن کر
آئینے میں رہو ہمیں کیا ہے

سیل دریا تجُھے کہاں روکیں
جھونپڑی ہے ڈھو ہمیں کیا ہے

بات رسوائیوں کی شیداؔ جی
چار سوئے پہ ہو ہمیں کیا ہے

☆

سفر نکال کے آیا ہوں کس زمانے میں
نئے میں ذکر ہے میرا نہ اب پُرانے میں

بہار کس میں پروئے سکون چھاؤں کا
ہر ایک شخص لگا ہے شجر جلانے میں

سکونِ دل کا نہ اک پل بھی ہمسفر نکلا
تمام عُمر کٹی بارِ غم اُٹھانے میں

شباب رنگ اُترتا نہ رخصتِ جاں کا ابھی
ذرا سی دیر لگائی حضور آنے میں

جبیں پہ ہجرنے گوندھا ہے داغ رسوائی
ہُنر تمام گنوائے جسے مٹانے میں

اُنہیں تلاشِ بقا تھی نکل گئے سارے
زوال زاد ہوں تنہا ابھی فسانے میں

کھلے گی دھوپ کہاں سے جو مسکراہٹ کی
ابھی ہے مست یہ موسم ہمیں رُلانے میں

سبیل اشک سے زخموں کی آبیاری کی
وفا بھی صرف کی جیسے جفا کمانے میں

کہ شام ہوتے ہی پلکوں پہ آتے ہیں جگنو
جو خود کفیل ہوں شیداؔ دِئے جلانے میں

ہو بازی جیتنی تو سر کی بازی کی ضرورت ہے
ہدف مقصود ہو تو کسِ ریاضی کی ضرورت ہے

کوئی جالوت ہوں طالوت ہے پیچھے پڑا میرے
یہاں داوٗد تیری سنگ بازی کی ضرورت ہے

گواہی مانگ لیں گے کل کہ میرا سچ نہ تھا جھوٹا
بقیدِ حال ہوں مرحوم ماضی کی ضرورت ہے

قفص کے ان گنت خاکے ہیں کھینچے دیکھ بچوں نے
فقط قرطاس پہ اب رنگ سازی کی ضرورت ہے

شُعارِ بو ترابی ہوکہ جس کے زورِ بازو میں
وہی ہے معرکہ ہونا وہی غازی ضرورت ہے

اُبلتے خوں سے جو سیراب کردے دشتِ کربل کو
اُسی ابنِ علیؑ مولا نمازی کی ضرورت ہے

پلٹ دیں وقت کے اوراق شیّدا ڈھونڈ کر لائیں
کہ دورِعدل کے بے باک قاضی کی ضرورت ہے

☆

میرے سر پہ آج بھی آ کر ٹھہرا تھا سورج
درد کی حدت پر دیتا سا پہرا تھا سورج

پیاس نے کھُل کر خاک اُڑائی آنکھوں میں سوکھی
دشت میں جس دن پرچم بن کر لہرا تھا سورج

کالے رنگ کی موجیں اب تک اُٹھتی ہیں رہتی
اک دن اُترا مجھ میں تیرا گہرا تھا سورج

باندھ رہا تھا رختِ سفر بھی شب کا مُسافر
بانہوں میں لیکر سہلاتا صحرا تھا سورج

چاندنی لیکر دھوپ میں اکِ بکھری پائل تھی
میں نے کتنا پُکارا لیکن بہرا تھا سورج

رات کو اوس کے بستر پر تھی چاندنی بکھری
ابر میں دن کو چھُپا کر بیٹھا چہرہ تھا سورج

تب سے شب بھر جاگتے رہتے تارے ہیں شیدؔا
جس دن باندھ کے سر پہ نکلا سہرا تھا سورج

☆

اپنے ہی دشتِ خاک میں بکھرا ہوا تھا میں
پانی، ہوا سے، آگ سے گزرا ہوا تھا میں

منظر تمام آنکھ کی جنُبش پہ تھے مری
گردش میں کائینات تھی ٹھہرا ہوا تھا میں

اپنی سیاہ دھُند کے سب دائرے لئے
اک روشنی کے غار میں پھیلا ہوا تھا میں

کام آئی اُس کے بعد کوئی جستجو نہیں
اس رات کھو گیا تھا کہ اپنا ہوا تھا میں

جس کا ہوا تھا عُمر بھُلانے لگی اُسے
اب کر رہا ہوں یاد کہ کس کا ہوا تھا میں

پھر آئینے کی آنکھ میں غائب ہوا وہ عکس
اپنا ہی ایک بار جو چہرہ ہوا تھا میں

زخموں کو پالا شوق سے شیّدا جو ہجر کے
آخر اُنہی کے درد سے اچھا ہوا تھا میں

میں نے جو زباں کھول دی تو اُس نے کہا چُپ
صدیوں سے چلی بات یہی کیوں میں رہا چُپ

صحرا میں مسیحا تھا مِلا آہ و فُغاں سے
ہونٹوں کو پلائی ہے اُسی نے یہ دوا چُپ

ہے شہرِ تمنا جو مرِا خون میں غلطاں
نالان ہیں بندے بخدا اُن کا خُدا چپ

تازہ ہیں محبت کے سبھی زخم نہ چھیڑو
رہنے دو ابھی چاک نہ ہو جائے قبا چُپ

موسم ہے خزاں بار دریچے نہ کرو وا
توڑے گی فضاؤں کی نئی بادِ صبا چُپ

ہر شخص کو ملتا ہے کہاں اِذن کلیمی
اپنی ہی خموشی میں رہی اپنی صدا چُپ

☆

ہجر زادے تُم نے کوئی حادثہ دل پر لیا ہے
کرچیوں نے جسکی مُجھ میں مستقل گھر کر لیا ہے

اُڑ گئیں لب پر جو تھیں ساری مسرت کی دلیلیں
غم کو لیکن سانس کی آوارہ گی نے دھر لیا ہے

درد کی کُچھ کُچھ کسک ہے اب تلک محفوظ دل میں
زخم کو لیکن گزرُتے وقت نے ہی بھر لیا ہے

اتنا آوارہ نہیں بھی دشت ڈھونڈوں رقص کرلوں
خاک ہوں اور اکِ جنوں نے اپنے تابع کر لیا ہے

ہم کو جو معلوم ہے نقلِ مکانی کی حقیقت
یوِں کرائے پر یہ دو دنِ کے لئے ہی گھر لیا ہے

سکُھ کی امیدوُں کا دامن جھاڑ کر شیدؔا بھی نکلا
اُس نے اپنے ساتھ اپنے دُکھ کا بس محشر لیا ہے

☆

☆

کسِ نے کھینچی موسموں کی مستیاں
دھوپ پر چلتی ہیں بھیگی کشتیاں

آگ سلگائی ہوا نے ریتلی
دشت پر لا پانیوں کی بستیاں

رفعتوں پر گھر بنانے آگئے
گرتے سیاروں پہ رکھ کر پستیاں

جانے ہم کس موڑ پر پیچھے رہے
بڑھ گئیں آگے ہماری ہستیاں

آب چشماں کو پویتر کیجئے
پھر بہا دو اس میں دل کی استیاں

رحتِ جاں آسانیاں ممکن نہیں
سخت جاں پیچھے پڑی ہیں سختیاں

بیچ کر شیدا گرانی آپ کی
ہاتھ آئی دیکھ کتنی سستیاں

☆

میں اپنے آپ میں تُجھ بنِ رہا ہوں
مگر ہندسوں میں تُجھ کو گنِ رہا ہوں

گُماں کو خلعتِ اظہار بخشا
فروغ نقش کا باطنِ رہا ہوں

بزرگی راہ تکتے مرگئی اب
کہ ستر سال سے کم سنِ رہا ہوں

مرا ہی شور تھا امکاں سے آگے
مگر میں خاک پہ ممکنِ رہا ہوں

فنا کی وادیوں میں جشنِ تنہا
خموشی اوڑھ کر کُل منِ رہا ہوں

تمہاری سانس پہ راتیں گُزاریں
تمارے لمس میں ہر دن رہا ہوں

علی شیؔدا طواف چاک پر ہی
ازل سے آج تک ساکنِ رہا ہوں

بندوں کی کہاں خیر خداؤں کا نگر ہے
اک شخص اگر بولتا اک شخص مگر ہے

اے شوق ترے خواب ابھی تازہ کھلے ہیں
آہستہ قدم رکھ کہ یہ کانٹوں کا ڈگر ہے

شاید میں ابھی خود کو یہاں ڈھونڈ رہا ہوں
رستہ نہ گلی گاؤں ٹھکانا ہی نہ گھر ہے

گو پیراہن جسم ذرا غیر نے کھنچا
اسلاف کی میراث ابھی سر پہ جگر ہے
یہ عشق ہے اور شوق مراحل سے ہم آغوش
ہر تجربے کے بعد دگرِ کارِ اگر ہے

کیا غم ہے کہاں کون سا دکھ روکے گا شیدؔا
ہاں ساتھ میں اک درد کا ہی قافلہ گر ہے

☆

دل کے کچھ اچھے تماشے دیکھ کر دیکھے نہیں
رابطے جو تھے خدا سے دیکھ کر دیکھے نہیں

اِک تسلسُل بھی اگر ممکن تھا نا ممکن رہا
دو قدم ہی گاہے گاہے دیکھ کر دیکھے نہیں

آسماں کی وسعتوں میں آنکھ دوڑائی گئی
دسترس میں تھے ستارے دیکھ کر دیکھے نہیں

ہم اندھیروں کی کسی دیوار سے اُلجھے رہے
رقص کرتے تھے اُجالے دیکھ کر دیکھے نہیں

جسم کے خاکے سے پت جھڑ پیرہن اُترا کہاں
ورنہ تھے موسم سہانے دیکھ کر دیکھے نہیں

زردیاں اُتری شفق کی دھوپ کے دیوار پر
ڈھل رہے تھے اپنے سائے دیکھ کر دیکھے نہیں

ساتھ تھی شیداؔ سفر میں آہٹوں کی جو کھنک
پڑ گئے پاؤں میں چھالے دیکھ کر دیکھے نہیں

رنگ و بُو گُل کی اِک کڑی ہو تم
موسمِ جاں گھڑی گھڑی ہو تم

اُٹھتی چنگاریاں سرابوں سے
تپتی بوندوں کی رت جھڑی ہو تم

سانس لیتا ہوں آئینے میں جب
سامنے خواب سا کھڑی ہو تم

کتنی ہلکی ہوئی ہے بزم جہاں
سب پہ بھاری یہاں پڑی ہو تم

چھیڑ لوں سانپ کاٹتے ہیں بدن
چوم لوں زہر کُش جڑی ہو تم

عشق کے زاویے نہ سمجھا دو
مجھ سے کیا عمر میں بڑی ہو تم

آج تو رات ہے اماوس کی
آج کیوں بام پر چڑھی ہو تم

شب کے آنگن میں رقص پریوں کا
دائرے میں کہ پھلجڑی ہو تم

کام ہیں ہجر کے علاوہ بھی
ایک ہی ضِد پہ کیوں اڑی ہو تم

ہم بکھر جائینگے تصادُم سے
دل دھڑا ہوں تو جاں دھڑی ہو تم

مالا جپتا ہوں دھوپ میں سورج
عرقِ مہتاب کی لڑی ہو تم

لے گُھما وصل تک مجھے پیچھے
ہجر کے وقت کی گھڑی ہو تم

اس سے آگے مجھے دھڑکنا کیا
وقت کی آخری کڑی ہو تم

میں جو اُلجھا، اُلجھ رہا شیدؔا
تم نہ سُلجھی کہ گڑبڑی ہو تم

سولی سے اب اُتار دو مجھ کو
کب سے زندہ ہوں مار دو مجھ کو

عشق کے چاک پر دوبارہ لا
خواب مَل کے سنوار دو مجھ کو

دل کا پتھر پگھلنے والا ہے
آئینے میں اُتار دو مجھ کو

اَشک کچھ دیر آنکھ میں رُک جا
حاصلِ انتظار دو مجھ کو

بکھرے ماتم کا ہوں میں سیارہ
سُکھ کا دائم مدار دو مجھ کو

تجھ سے کرنی ہے بات جو شیداؔ
خود پہ کچھ اختیار دو مجھ کو

☆

دل نے کسی کو چھوڑ کے چھوڑا نہیں گیا
سو بار بُت کو توڑ کے توڑا نہیں گیا

گردش میں دائرے کے رہا جزو رقص ہو
کچھ اپنی سمت دوڑ کے دوڑا نہیں گیا

بُن کر تمہارے لمس کے دھاگوں سے گرم شال
عریاں بدن پہ اوڑھ کے اوڑھا نہیں گیا

پنجرے میں مصلحت تھی مرے ساتھ بھی کوئی
ماتھے کا نقش پھوڑ کے پھوڑا نہیں گیا

مصرع رہا میں شعر مُکمل نہ ہو سکا
مصرعے ترے سے جوڑ کے جوڑا نہیں گیا

شیدؔا چراغِ آرزو کی لو پہ تھی نظر
جب رُخ ہوا کا موڑ کے موڑا نہیں گیا

ہم نے چہرے کو بغل میں رکھ دیا
مسئلوں کو ایک حل میں رکھ دیا

ہجر کا موسم دیارِ وصل میں
اور کیا کیا ہے ازل میں رکھ دیا

کھینچ کر لمحوں سے جینے کا ہُنر
درد کی صدیوں کو پل میں رکھ دیا

شاعرِ غم سے رباعی چھین کر
باولے نے پھر غزل میں رکھ دیا

وقت پڑھ لے گا شُعاعیں کھول کر
ہم نے کل کو آج کل میں رکھ دیا

پھر کبھی شیدؔا رجز تیرا حزج
آج تھا جو کچھ رمل میں رکھ دیا

دل پہ دستک سوال دیتے ہیں
سو مسائل اُچھال دیتے ہیں

پانیوں میں ہوا کے شعلوں سے
آنسوؤں کو اُبال دیتے ہیں

آج کل لوگ دھوپ کے منظر
اپنے گھر سے نکال دیتے ہیں

حوصلے ہم سفر ہیں ایسے بھی
مہر و ماہ کو زوال دیتے ہیں

تب تو رہتی تھی یاں ابابیلیں
اب تو اُن کی مثال دیتے ہیں

چشم نم کی رہے فراوانی
غم سے ہی غم سنبھال دیتے ہیں

آخری اَشک بھی چلو شیدؔا
اُن کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں

☆

اس شہر کا نقشہ بھی بدلنا ہی پڑے گا
آنا ہے اُسے ہم کو نکلنا ہی پڑے گا

ٹوٹیں گے کہاں سرد ہواؤں کے حوصلے
موسم کا تقاضا ہے کہ جلنا ہی پڑے گا

دیر و حرم کی گفتگو میخاں میں جو ہوئی
کتنا بھی بہک جائیں سنبھلنا ہی پڑے گا

خوںناب دل درد کے منظر ہیں شفق ریز
سورج جو سرِ شام ہے ڈھلنا ہی پڑے گا

جاتے بھی اُسے دیکھ لوں اور روک نہ پاؤں
بچوں کی طرح آج اُچھلنا ہی پڑے گا

قسمت تھی کہاں تیرے اُجالوں سے سنورتے
شب بھر کا ملا ساتھ تو گلنا ہی پڑے گا

اتنا بھی سخت جاں ہمیں شیدؔا نہ پایئے
سانسوں کے ملے لمس پگلنا ہی پڑے گا

☆

تیر ہوں کیا کمان سے نکلوں
لفظ ہوں میں زبان سے نکلوں

آگ لگ جائے گی کہانی میں
میں اگر داستان سے نکلوں

شام کی اوٹ میں چلا جاؤں
صبح کے آسمان سے نکلوں

کرچیاں سب سمیٹ کر اپنی
پتھروں کے مکان سے نکلوں

بد گُمانی سے دم گھُٹا جائے
سوچتا ہوں گمان سے نکلوں

رایگانی سے بھر گیا ہے دل
اب کے نکلوں تو دھیان سے نکلوں

کوچۂ یار سے علی شیدؔا
آخری بار شان سے نکلوں

اپنا نصیب ہے تو سنور جائے دیکھنا
یا مثلِ خاک اُڑ کے نکھر جائے دیکھنا

موسم کی طرح تم بھی بدل جاؤ جانِ من
چہرے سے ورنہ روپ اُتر جائے دیکھنا

سُلجھا رہا ہوں خانہ بدوشی کا ذوق و شوق
اُلجھا کے رات میری گزر جائے دیکھنا

سایا بھی اپنا ساتھ نہ دے پائے گا تُجھے
ممکن کہاں کہ دھوپ ٹھہر جائے دیکھنا

سوئے فلک وہ آنکھ اُٹھائے جو نیم شب
رُخسار ماہتاب نکھر جائے دیکھنا

شیدؔا نہ ٹوٹ جائے نوردی جنون کی
یوں اعتبارِ رقص مُکر جائے دیکھنا

شکستہ خواب دریچوں پہ ہار کا موسم
دیا تھا نام جسے ہم نے پیار کا موسم

عجب کرے گا تماشا مری نگاہوں میں
غضب کی خاک اُڑائے غُبار کا موسم

جہاں سے ہم نے کی ہجرت سمیٹ کر وعدے
وہاں طویل رہا انتظار کا موسم

ہرا بھرا ہے جنوں دشت آبلہ اپنا
صدا صدا ہے رہِ پا فرار کا موسم

یہ اہل آگ جو پھرتے ہیں کاشمر میں مرے
سُلگتا کیوں نہ جلائے چنار کا موسم

ابھی تو رہنے دے جھوٹا بھرم عدالت کا
ابھی ادائے رسن میں ہے دار کا موسم

☆

آپ سے کیا کریں گلہ صاحب
ہر کسی کو نہیں ملا صاحب

گھر کے دیوار و در لرزتے ہیں
توڑ کر سلسلہ نہ جا صاحب

خالی جھولی کی لاج اب رکھ لے
آپ سے کون ہے بڑا صاحب

عشق میں اور کیا ہوا جائے
جو ہُوا، سو ہُوا، ہُوا صاحب

ڈر ہے وحشت زدہ اُجالوں سے
اپنے آنچل میں لے چُھپا صاحب

رات ڈھلتی گئی اندھیروں میں
ہاتھ ملتی رہی دعا صاحب

غیر ممکن ہے اب تعلق کا
خوف دل سے نکالنا صاحب

اب وہ موسم بھی پھول کلیوں کے
بھول بیٹھے ہیں ہر ادا صاحب

اب لُٹائیں تو کیا لُٹائیں ہم
جان و دل بھی کہاں بچا صاحب

کچھ دوا بھی ملے عنایت ہو
درد دینے کا شکریہ صاحب

رقص کناں ہے جابجا تابِ نظر کہ لا بہ لا
دوشِ فلک پہ رکھ دیا شوقِ سفر کہ لا بہ لا

رقصِ زماں کے ساتھ ہوں حبسِ مکاں اتار کر
کھول رہا ہوں کھڑکیاں شام وسحر کہ لا بہ لا

چشمِ گماں کا خواب ہوں شاخِ زمن سے ٹوٹ کر
اور میری تلاش میں شمس و قمر کہ لا بہ لا

دستِ جنوں کے وسط میں گریہ کناں ہیں ساعتیں
ریگِ رواں میں دھوپ ہوں برگ وشجر کہ لا بہ لا

سارے ستارے جھڑ گئے ماند پڑی ہے کہکشاں
کیسے بتائیں کیا ہوئی رات بسر کہ لا بہ لا

چھوٹ گئی دھمال بھی عکس نگاہِ حال تک
اور جو ہم بھی ہوگئے دشت بدر کہ لا بہ لا

حرفِ سکوت کے سوا کون تھا شیّدا ہم نوا
شورِ زوال تشنئہ خوف و خطر کہ لا بہ لا

کہاں پہ چاکِ بدن خرقہ تار تار کہاں
رہا جنوں میں ہمیں خود پہ اختیار کہاں

یہ برق اَبرِ بلا کو چراغ راہ کئے
شبِ سیاہ میں نکلا ہے شہسوار کہاں

فریب ماہ سے کب تک سفر تلاش کریں
ملا زمیں پہ نہیں جو فلک کے پار کہاں

عبث تمام صحیفے ورق ورق ہے فسوں
نصابِ عشق میں ہوتا وفا شعار کہاں

بچھڑ گیا ہے وہ موسم بھری جوانی کا
طلب وہ جام نگاہِ سرِ خمار کہاں

عجب یہ فصلِ محبت چھپا چھپی کھیلے
وہ کیا گئی کہ قرار دمِ بہار کہاں

اسے نہ ڈھونڈ ہوا ہے دھواں دھواں شیدآ
چراغ ِ شام ملے گا تُجھے مزار کہاں

☆

اپنی مٹی بڑی پُرانی ہے
رنگ و بو کی نئی کہانی ہے

مات سے بعد میں نپٹ لینگے
چال کوئی تو آزمانی ہے

کل پہ رکھتے ہیں اپنی نیلامی
آج بازار میں گرانی ہے

مجھ کو باہر نکال البم سے
لوٹ آئی کوئی جوانی ہے

راستوں سے کبھی نہیں پوچھا
دور کتنی وہ راجدھانی ہے

شاخ پر عندلیب ہے اپنا
اور بجلی بھی آسمانی ہے

خواب آنکھوں میں جھانکنے بیٹھے
رات اُتری بڑی سہانی ہے

گھر کے دیوار سو گئے دیکھو
در پہ شائد وہی فلانی ہے

سن رہی ہیں سماعتیں اُس کو
بات جس کی ہے پر نہ مانی ہے

☆

اتنا نزدیک لا کے دیکھ لیا
آئینہ سا بنا کے دیکھ لیا

جا میرے دل چلا جا پہلو میں
ایک دھوکہ تو کھا کے دیکھ لیا

بجلیاں دور مجھ سے کتنی ہیں
اک کبوتر اُڑا کے دیکھ لیا

بھول بیٹھا ہوں میں دعائیں سب
ہاتھ جب بھی اُٹھا کے دیکھ لیا

پھول زخموں کے ٹانکنے والے
گھر بدن کا سجا کے دیکھ لیا

تھا گریباں جو چاک تھا پہلے
اب تو دامن جلا کے دیکھ لیا

لطف کیا روٹھنے کا ہے شیداؔ
ہم نے خود کو منا کے دیکھ لیا

اپنی زمیں سے اشک بھی آخر جدا نہ ہو
قطرہ شعورِ آنکھ سے گِر کر فنا نہ ہو

ہنگامہ آج خوب ہے دل کے دیار میں
پامال عرض حال ہے ماتم سرا نہ ہو

برقِ فلک میں جنبشِ افسردگی بھی ہے
بھٹکا جو میرا راہ سے حرف دعا نہ ہو

ڈرتا نہیں ہوں بات سے جو مشتہر ہوئی
چرچا بھی ان کہی کا کہیں جا بجا نہ ہو

اتنا نہیں قریب کہ بھیگیں نہ قُربتیں
اور درمیان دھوپ کا بھی فاصلہ نہ ہو

تُم ہو کہ مُڑ کے دیکھنا چاہا نہیں کبھی
اور درد اپنے پاس جو برسوں رہا نہ ہو

کچھ تو بقائے عشق بھی دُنیا بچائے رکھ
نیلام اب کے شہر میں ساری وفا نہ ہو

چاروں طرف ہے عکس ترے یار کا شیدؔا
آنکھوں میں اُس کے نام کا ہی آئنہ نہ ہو

تُجھ سے منسوب سو فسانے ہیں
لوگ کتنے ترے دِوانے ہیں

فہم و ادراک کے دریچے کھول
درد کے زاویے سجانے ہیں

وقت کے دائرے سے باہر ہوں
قید مجھ میں کئی زمانے ہیں

فاصلے کم کرو دعاؤں سے
ہاتھ ٹوٹے بھی ہوں ، اُٹھانے ہیں

ٹوٹنے دے صدا صدا پایل
رقص کے دائرے گھمانے ہیں

یوں اندھیروں سے لڑ نہ پاؤ گے
آو مل کر دیے جلانے ہیں

دیکھ تشہیر حرفِ رسوائی
خواب آنکھوں سے کیا چُرانے ہیں

تُم حقیقت مرے جنوں کی ہو
رہ نوردی یہ سب بہانے ہیں

ہجرتیں کب تلک یہ آوارہ
غم جو اتنے کہیں بسانے ہیں

اب کے موجِ سخن پہ واہ شیداؔ
میرؔ کے ، دردؔ کے زمانے ہیں

☆

دل کوئی دل لگی سے ملتا ہے
عشق کی بندگی سے ملتا ہے

موت کتنی بڑی حقیقت ہے
یہ سبق زندگی سے ملتا ہے

حادثے آج کل بھی ہوتے ہیں
آدمی آدمی سے ملتا ہے

اب بھی ہوتی ہے محفلِ یاراں
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

درد و غم مل گیا تبھی جانا
جو بھی ملتا خوشی سے ملتا ہے

رہ نوردی کو کم پڑی صدیاں
جب سکوں دو گھڑی سے ملتا ہے

نام رکھا جناب ہے شیدؔا
کاشمر کے علی سے ملتا ہے

عشق کے نصابوں میں نت نئے خسارے ہیں
اڑ رہی ہوائیں ہیں گر رہے غبارے ہیں

رات کی منڈیری پر ہم بھی ڈھونڈ لیں سورج
لوگ دن کے آنگن میں گن رہے ستارے ہیں

حد میں اپنی رہنا تھا بارشوں کے موسم میں
زد پہ سیلِ دریا کے اپنے ہی کنارے ہیں

روح کے صحیفوں کی گرد جھاڑ لینے دو
جسم کی یہ دیواریں ڈھونڈتی سہارے ہیں

آؤ بانٹ لیتے ہیں خواب جاگی راتوں کے
وصل کے تمہارے ہیں ہجر کے ہمارے ہیں

گھٹتے بڑھتے جانا ہے ساتھ چھوڑ دینا ہے
اپنے اپنے سائے میں وقت کے اشارے ہیں

سرخ رنگ آنکھوں کے خواب کی درازوں میں
پڑھتے رہنا شیدؔا جی درد کے شمارے میں

بدن میں ہجر کا تپ تھا نئی بارش میں آ ٹھہرا
کہ میرا خاک زادہ آگ کی سازش میں آ ٹھہرا

نویلی شب کی چادر میں نگاہیں نیم عریاں تھیں
پرانے خواب کی اک تازہ پیمائش میں آ ٹھہرا

چمک اٹھی ہے شبنم زرد موسم کی ہتھیلی پر
فلک نیلا یہ کس کا ہے مری گردش میں آ ٹھہرا

اسے معلوم ہے کس کے فسوں کی زد پہ رہنا ہے
مرے کینواس پر آ کر مری کاوش میں آ ٹھہرا

تکوں میں گھومتا کب تک وہ اپنا دائرہ لیکر
کسی قد کے برابر سائے کی لغزش میں آ ٹھہرا

اسی برسات میں مٹی یہ تن کی ڈھل گئی ساری
کسی کا جسم میری روح کی ورزش میں آ ٹھہرا

مکاں کی وسعتیں شیدؔا کہاں پر چھوڑ آئے تم
زمن کی دھڑکنوں کا شور اک جنبش میں آ ٹھہرا

ہم نے بھی اپنی جگہ اپنی بسالی دنیا
اپنے خوابوں کے جزیرے میں مثالی دنیا

بس یونہی دیکھے تماشائے فلک دورِ زمن
اپنے کاندھے پہ کسی نے نہ اٹھالی دنیا

دل پہ تھے پہرے ترے ہجر تسلسل کے لگے
ہم نے آنکھوں سے دھواں جیسے نکالی دنیا

ہم جو ٹھہرائے گئے دشت جنوں کے وارث
بس تری یادوں کے رنگوں سے سجالی دنیا

سجدہ ریزی کیلئے پھیلی زمیں زیرِ فلک
اس کی عقبیٰ ہے بنی جس نے سنبھالی دنیا

یہ اذیت کہ محبت میں بدل دی ہم نے
اشک ریزی سے شب غم میں جگالی دنیا

یہ تو اللہ کا شیداؔ پہ کرم فضل و فراغ
آنکھ روشن جو ہوئی ورنہ ہے کالی دنیا

دیر لگتی بھی آنے میں بہت
اور پھر جلدی ہے جانے میں بہت

ہوگیا خالی ہوں کاندھا دیجئے
بوجھ بھاری ہوں اٹھانے میں بہت

مان لوں ترک تعلق ہی سہی
وقت لگتا ہے منانے میں بہت

کھڑکیاں کھولوں کہ پھیلی دھند ہے
اور دھواں ہے آشیانے میں بہت

یوں کھلونے بھیجنے والا تو ہے
پر وہ ماہر ہے رلانے میں بہت

خواب پر نیندوں کا کافی قرض تھا
دیر کی ہم نے جگانے میں بہت

رسم تھی زلفوں کو سلجھائیں بخیر
خود الجھ بیٹھے نبھانے میں بہت

چھوڑئے شیدؔا فتورِ عاشقی
اور بھی غم ہیں زمانے میں بہت

☆

درد آخر گھٹا دیا ہم نے
زندگی کو بڑھا دیا ہم نے

حسرتوں کے پرانے آنگن سے
دل کا لاشہ اٹھا دیا ہم نے

ایک ہی خواب تھا کنارے پر
آنسوؤں میں بہا دیا ہم نے

آخری چال پر تھے خالی ہاتھ
پھر دیا ہی بجھا دیا ہم نے

خشک سالی پڑی تھی آنکھوں میں
دل کا دریا چڑھا دیا ہم نے

موت کو زندگی کے بارے میں
شعر اپنا سنا دیا ہم نے

ہوچکا تھا گلوب گرد آلود
آئنے پر گھما دیا ہم نے

آبگاہوں نے احتجاج کیا
ایک پنچھی اڑا دیا ہم نے

شاہراہیں گزرنے والی تھیں
چل کے رستہ بنا دیا ہم نے

دھوپ کو برف پر اترنا تھا
بادلوں کو بچھا دیا ہم نے

آخری پیڑ تھا وہ جنگل کا
اور مل کر گرا دیا ہم نے

تھک چکا تھا یہ جون کا سورج
چاندنی میں سلا دیا ہم نے

اس برس بھی دعا کی بارش میں
جسم اپنا جلا دیا ہم نے

ایک سایہ ملا جو باہر تھا
گھر میں لاکر گنوا دیا ہم نے

اپنے گاؤں کی چھاؤں سے اٹھ کر
شہر تیرا بسا دیا ہم نے

خواب کتنا طویل تھا اس بار
خود کو کتنا جگا دیا ہم نے

وصل کی بھوک کا گزاراہ تھا
ہجر میں غم کھلا دیا ہم نے

پیاس میٹھی سی لب پہ آئی تھی
ایک آنسو پلا دیا ہم نے

گرتی دیوار تھی میاں جس کو
حال اپنا بتا دیا ہم نے

ڈاروَن کے گھرانے کا بندر
انگلیوں پر نچا دیا ہم نے

دشت ابھرا ہے آنکھ میں شیدؔا
قرض کیسا چکا دیا ہم نے

وہ آئے گا کہ آنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے
بھرم ہے ٹوٹ جانے میں ذرا سی دیر لگتی ہے

دیا محفوظ کر لو تاک میں ظالم ہوا بیٹھی
کہ اپنا گھر جلانے میں ذرا سی دیر لگتی ہے

ذرا محتاط رہنا آہ سے بھی ٹوٹ جاتا ہے
کسی کا دل دُکھانے میں ذرا سی دیر لگتی ہے

شکستہ سانس تک الفت کو سینے سے لگا رکھنا
یہاں میت اٹھانے میں ذرا سی دیر لگتی ہے

محبت آزمانے میں تو صدیاں بیت جاتی ہیں
محبت ٹوٹ جانے میں ذرا سی دیر لگتی ہے

اسے اپنا بنانے میں ہوں اپنا آپ کھو بیٹھا
سنا تو تھا منانے میں ذرا سی دیر لگتی ہے

کھلی زلفیں کبھی دستِ حنا چادر کبھی سرکی
اسے چہرہ چھپانے میں ذرا سی دیر لگتی ہے

سبیلِ عشق سے لکھو دلیلِ آہ شیدؔا جی
غزل کو داد پانے میں ذرا سی دیر لگتی ہے

خود بھیڑ میں کھو جائیں اگر پائیں تو کس کو
دل ہے کہ سنبھل جائے نہ بہلائیں تو کس کو

انصاف کی کرسی پہ جو قابض ہوں فسادی
پھر موردِ الزام بھی ٹھہرائیں تو کس کو

ہر سو ہے لہو آگ دھواں گریہ کناں شور
بلوائی محافظ ہی ہو بلوائیں تو کس کو

اک حرفِ تمنا ہوں کہ رسوائے سخن زار
دل تو ہی تو بتلاؤ کہ بتلائیں تو کس کو

ہر شخص نے یاں نیند کا اوڑھا ہے لبادہ
اک اور نئی صبح سے ملوائیں تو کس کو

شیدؔا جی ابھی آیا نہیں شہرِ زلیخا
ہم چاک گریبانِ سفر بھائیں تو کس کو

☆

بوتل وہی شراب مگر ہے نئی نئی
اس دل کا کیا کہ رنگ کروں آج قورمئی

میں نے کہا کہ آنسوؤں سے حال ہے بُرا
اس نے کہا کہ آگ لگے آگ لگ گئی

اڑتا رہا میں شام تلک بادلوں کے ساتھ
اس نے اٹھائی دھوپ میں جو آنکھ سُرمئی

اک میں ہی تھا نہیں کہ بتاؤں کہ تھا نہیں
اس مات کی بساط پہ تھے شاہ بھی کئی

قدموں سے پھوٹتا ہے نئی راہ کا سفر
عریاں بدن سے دھوپ لپٹتی ہے خرقئی

شیداؔ نہ بول آتی نہیں فارسی تجھے
اتنی مثال دے کہ مری چال مغلئی

☆

جنوں نے چاک جو دامن نہیں کیا ہوتا
خرد کی کور نگاہی نے سی لیا ہوتا

دھواں تو خانہء دل سے ہی اٹھ رہا ہے کہیں
وگرنہ آنکھ میں جلتا ہوا دیا ہوتا

ہمیں کو راس یہ ظلمت کا رنگ آیا ہے
کسی چراغ نے ہنس کر اڑا لیا ہوتا

ہوس کی دھوپ سے کچے ثمر نہ گر جاتے
محبتوں کی زمیں کا نہ مافیا ہوتا

تمہاری یاد کی چھاؤں تھی ساتھ ساتھ چلی
سفر کی دھوپ نے سارا لہو پیا ہوتا

یہ برق و رعد یہ ویراں یہ شب یہ تم شیدؔا
کوئی تو راہ میں جگنو لئے ضیا ہوتا

اک دشت مری خاک کے پردے میں پڑا ہے
میں خود سے بچھڑتا ہوں سفر اتنا کڑا ہے

ہم چاہیں تو کچھ اور دلیلیں بھی لے آئیں
پر ضد ہے جو اسکی وہ اسی ضد پہ اڑا ہے

وہ چشمہ بدلتا ہے نہیں اپنا کسی طور
اک شخص محلے میں بس اتنا سا بڑا ہے

موسم ہوں ترا شاخِ تمنا پہ دوں خوشبو
مٹی سے اٹھا لایا ہوں جو رنگ چڑھا ہے

اب کیسے اجالیں بھی سماعت کے جھمیلے
ہم نے تو اسے آنکھ کئے بند پڑھا ہے

میں اس سے لپٹ جاؤں کسی دھوپ کی مانند
اک سایہ مرے قد کے برابر جو کھڑا ہے

شیداؔ کی ہر اک نیند مسلسل ہے کُھلی آنکھ
برسوں کا کوئی خواب سرہانے جو پڑا ہے

کوئی صحرا سا تھا جس میں گماں کا کارواں ٹھہرا
جہاں میں تھا نہیں ٹھہرا وہیں سارا جہاں ٹھہرا

میں اپنی وسعتوں کا یوں خلاصہ کر نہیں پاؤں
مگر اتنا کہ دردِ ہجر ساماں جانِ جاں ٹھہرا

سمیٹے دھوپ دریا کے کنارے اپنی آیا تھا
کہ سطحِ آب پر رقصاں وہ نیلا آسماں ٹھہرا

اذیت بن گئی پہلی دعا ایجاب تک پہنچی
سوادِ آہ لب پر ہی نصاب رائگاں ٹھہرا

زماں کی بندشوں میں قید رہنا ہے نہیں ممکن
ہماری حد سے باہر ہے کوئی کون و مکاں ٹھہرا

کئی دن سے چمکتی دھوپ بھی چھت سے ٹپکتی ہے
کوئی ہے اس حویلی میں مری گریہ کناں ٹھہرا

ابھی تک ہے پڑا شیدؔا جنوں کی سجدہ ریزی میں
سکوت نجد میں سُن کر جو اپنی ہی اذاں ٹھہرا

ہم نے تمام خواب کناروں پہ رکھ دئے
بجھتے ہوئے چراغ مزاروں پہ رکھ دئے

اس جنگ میں تو ہم نے پلٹ دی زمین ہی
گھوڑے بھدک گئے تو سواروں پہ رکھ دئے

بنجر زمیں میں پھول اگائے بھی اشک سے
پھر ان کے نام گزری بہاروں پہ رکھ دئے

اپنے خزاں کو خوب سلگنے کا فن دیا
شعلے تپاں ہوئے تو چناروں پہ رکھ دئے

غیروں کی ہر سراب پہ آنسو صرف کئے
کھائے جو زخم اپنے نظاروں پہ رکھ دئے

تہہ زمیں کی خموشی ہمیں سنائے ذرا
کوئی تو سر پہ یہاں آسماں اٹھائے ذرا

کئی دنوں سے مقید ہوں خواب خانوں میں
پلک پہ وار کرے راستہ سجھائے ذرا

مسافتوں کے زمانے تمام ہوجائیں
ذرا قریب مرے اور اور آئے ذرا

اداس رات ہے کیسی ردائے ہجر لئے
صدائے اشک سے کہدو غزل سنائے ذرا

حرف حرف ہے ٹپکنا لہو نگاہوں کا
"غزل سمجھ کے مجھے کوئی گنگنائے ذرا"

سفیر خاک ہوا ہوں متاعِ گردِ سفر
کوئی تو چاک پہ لاکر نیا بنائے ذرا

☆

اس دشت کے ہر ذرے میں پھولوں کی ثنا ہے
اس خاک کے اڑنے سے معطر جو فضا ہے

اک حرف تمازت سے شرابور ہے ساحل
پھر چاند کے دامن سے لپٹتی یہ دعا ہے

ماتم کے جزیرے پہ ٹکی آنکھ سے کہہ دو
خاموش سرابوں کی گھٹن نغمہ سرا ہے

اس بار لے آیا ہے وہ پتھر کے کھلونے
ہر شخص شکن زاد سا آئینہ بنا ہے

منظر کہ سرِ عکس گماں زارِ تحیّر
وہ راز مری خاک نشینی میں چھپا ہے

آ بس گئے جو زرد ہواؤں کے قبیلے
اک رنگ ابھی آنکھ کے پردے میں ہرا ہے

خوابیدہ کوئی آنکھ جو چوراہے پہ شیدؔا
تعبیر بکف خوابِ گماں زارِ وفا ہے